محمد خلیل عباسی

اسلامی تمدن کے لیے حضرت محمد ﷺ کا نصب العین

سیرت طیبہ ﷺ کے استفادہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کی علمی و اصلاحی تحریک جو کہ صحیح معنوں میں اسلامی تمدنی تحریک کی بنیاد لیے ہوئے تھی کہ یہ اسلامی تمدنی تحریک اصل میں اسلامی معاشرے میں بغیر فساد پیدا کیے انسانی احوال میں ایک پُر امن اور خوشگوار تبدیلی سے آراستہ ہورہی تھی، جس کا مقصد انسانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک، رواداری اور عزیز واقارب سے صلہ رحمی کا معاملہ کرنا تھا۔ اس لیے حضور ﷺ کی تمدنِ اسلامی کی دعوت کا دائرہ کار کسی جزوی اصلاح پر منحصر نہ تھا بلکہ یہ تحریک ہمہ جہت اور ہمہ گیر سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور تمدنی تحریک تھی ایک ایسا تمدن جس کا اظہار قرآن پاک میں بڑی وضاحت سے موجود ہے اور مختلف پیرایوں میں تکرار سے اسلامی دعوت کا مدعا اور جملہ انبیاء و رُسل کی بعثت کا مقصود یوں بیان فرمایا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاس بِالْقِسط (1)

ترجمہ: ''ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلائل دے کر جس مقصد کے لیے بھیجا ہے اور جس غرض کے لیے بھیجا ہے اور جس غرض کے لیے ان پر کتابیں نازل کی ہیں اور ان کو ضابطہ حق کی میزان عطا کی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔''

بات نہایت ہی صاف ہے کہ دعوت حق کا منشا انسانی زندگی کو نظامِ قسط کے سانچے

میں ڈھالنا اور تمدن میں عملاً عدل و توازن پیدا کرنا ہے۔ اس آیت میں متصلاً آہنی اسلحہ کو بھی اس مقصد کے لیے استعمال کرنے کا اشارہ موجود ہے۔ یعنی نظام حق کی اقامت اس کے تحفظ اور اس کے فروغ کے لیے سیاسی اور فوجی قوت بھی ناگزیر ہے(2)۔

خود حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی غایت اور زیادہ صراحت سے بیان کی گئی اور وہ بھی ایک سے زیادہ بار بیان کی گئی(3) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ــــ وَلَو کَرِهَ الْمُشْرِکُوْن(4)

ترجمہ: ''وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ضابطہ ہدایت اور دین حق دے کر اس غرض سے بھیجا ہے کہ وہ ہر دین کے مقابلے میں اسے (پوری انسانی زندگی پر) غالب کردے اور اگرچہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔''

مدعا یہ کہ قریش اور عرب کے دوسرے مشرکین تو اپنے جاہلی نظام حیات کو برقرار رکھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے اور جاہلیت کے خلاف جو آواز اٹھے گی وہ انہیں سخت ناگوار ہوگی۔ مگر ان کی ناگواریوں کی پرواہ کیے بغیر ان کے محاذ مخالفت کو توڑ کر حضور ﷺ کو اقامت دین کرنا ہے اور خدا کے ضابطہ ہدایت کو عملاً جاری کرنا ہے۔ یہ مدعا اگر دعوت حق میں مضمر نہ ہوتو کشمکش اور جہاد اور ہجرت کے ابواب کہاں سے آتے؟ جان و مال کی قربانیاں کا ہے کے لیے مانگی جاتیں؟(5) وَتُجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ کس مقصد کے لیے ''کونوا انصاراللہ'' (6) کی صلائے عام دی جاتی؟ کس غایت کے لیے ''حزب اللہ'' (7) یا اللہ کی پارٹی تشکیل پاتی؟ کس نصب العین کے لیے شہدا چنے جاتے؟(8) قرآن اور سیرت دونوں کا فہم دعوت حق کی منتہا کو ذہن نشین کیے بغیر ممکن نہیں رہتا۔

حضور ﷺ نے بالکل ابتدائی مرحلے میں خاندان بنی ہاشم کی ایک ضیافت اپنا پیغام سنانے کے لیے منعقد کی تھی۔ اس میں اجمالاً بیان فرمایا تھا کہ یہ دعوت دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کی ضامن ہوگی۔ بہت عرصہ بعد قریش کے ایک وفد سے گفتگو کرتے ہوئے اس بات کو

دہرایا اور فرمایا۔

وَاِنْ تَقْبَلُوْا مِنِّی مَا جِئْتُکُم بِہٖ فَھُوَا حَظُّکُم فِیْ الدُّنْیَا وَفِیْ الْاٰخِرۃ(9)

ترجمہ: ''تم اگر میری وہ دعوت قبول کرلو جسے میں پیش کر رہا ہوں۔ تو اس میں تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری ہے۔''

دنیا کی بہتری اور بھلائی کے سادہ الفاظ سے کسی جزوی بھلائی کو مراد لینا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ جزوی بھلائی تو ہر دعوت میں موجود ہوتی ہے اور ہر نظام شر میں بھی کچھ اچھے پہلو ہوتے ہیں۔ مطلب زندگی کا سنور جانا اور تمدن کا درست ہو جانا (10) نظام قسط کا قائم ہو جانا اور حیات طیبہ (11) کا حاصل ہو جانا ہے

پھر ابتدائی دور کشمکش میں ایک اور موقع پر حضور ﷺ سے گفت وشنید ہوتی ہے تو اس کے دوران میں آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

کَلِمَۃً وَاحِدَۃً تَعْطُوْ نِیْھَا تُمْلِکُونَ بِھَا الْعَرْبِ وَتَدِینَ لَکُمْ بِھَا العَجَمُ(12)

ترجمہ: ''بس وہ ایک کلمہ ہے اسے اگر مجھ سے قبول کرلو تو اس کے ذریعے تم سارے عرب کو زیر نگین کرلو گے اور سارا عجم تمہارے پیچھے چلے گا۔''

میلوں اور حج کے موقعوں پر قبائل کے کیمپوں میں جا جا کر حضور ﷺ نے یہی بات ہر سردار قبیلہ سے کہی۔ فرماتے مجھے ساتھ لے چلو۔ مجھے کام کرنے کا موقع دو، اور مجھ سے تعاون کرو۔

یدعونا الی ان نمنعه ونقومه، ونخرج به الی بلا دنا (13) یہاں تک کہ خدا کی طرف سے اس پیغام کو یہ واضح کر دوں جس کے لیے مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔ **تومنو ابی و تصدقوا بی، وتمنعونی حتی ابین عن الله ما بعثنی به** (14)

چنانچہ بنو عامر کا سردار بحیرہ بن فراس حضور ﷺ کے پیغام کی حقیقت اور حضور ﷺ کی والہانہ سرگرمی کار سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے کہا کہ اگر یہ نوجوان میرے ہاتھ آجائے تو میں سارے عرب کو نگل جاؤں۔ اس کی نگاہیں حضور ﷺ کی دعوت کے منتہا اور کام کے نتائج تک

پہنچ گئیں۔ اور اسی لیے اس نے ایک سودا گانٹھنا چاہا۔ حضور ﷺ کو وہ اپنا تعاون اس قیمت پر پیش کرتا ہے کہ جب آپ ﷺ کو مخالفین پر غلبہ حاصل ہو جائے تو آپ ﷺ کے بعد اقتدار ہمیں حاصل ہو۔ ماننا پڑتا ہے کہ بحیرہ کی نگاہ بڑی دور رس تھی۔ اب اگر حضور ﷺ محدود مذہبی تصور کے محض واعظ اور مبلغ ہوتے اور کوئی سیاسی منتہا آپ کے سامنے سرے سے نہ ہوتا تو صاف صاف کہہ دیتے کہ بھائی میں تو ایک اللہ والا ہوں۔ مجھے اقتدار کے بکھیڑے سے کیا مطلب اور میرے کام میں حکومت اور قیادت کا کیا سوال!____ مگر حضور ﷺ کا جواب یہ تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا "الامر الی اللہ، یضعه حیث یشآء" اقتدار کا معاملہ خدا کے اختیار میں ہے۔ اور وہ جس کے قبضے میں چاہے گا رکھے گا اور سودا چکانے سے انکار کر دیا(15)۔

حضور ﷺ کی دعوت کے سلسلے میں "عرب وعجم کے اقتدار" کا چرچا اتنا عام ہو گیا تھا جیسے کہ وہ تحریک اسلامی کا سلوگن ہو۔ بچے بچے کی زبان پر یہ بات رہتی تھی۔ حتیٰ کہ مخالفین نے اسی کو بنائے طنز بنا لیا تھا۔ اسلام کے سائے میں جو غلام اور غریب طبقوں کے نوجوان آ آ کر جمع ہو رہے تھے اور جن کو قریش تشدد کے کولہو میں پیل رہے تھے ان کو دیکھتے تو اشارے کر کر کے طنزاً کہتے کہ واہ کیا کہنے ہیں ان ہستیوں کے، یہ ہیں جو عرب وعجم کے حکمران اور سردار بننے والے ہیں۔

طنز وتمسخر اور مخالفت ومزاحمت کے سارے طوفان اٹھانے کے باوجود قریش کے سمجھ دار لوگ دلوں کی گہرائیوں میں یہ ضرور محسوس کرتے تھے کہ یہ دعوت کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ اس سے بڑے بھاری نتائج پیدا ہونے والے ہیں۔ ایک مرتبہ عتبہ کو سرداران مکہ نے حضور ﷺ سے گفت وشنید کے لیے بھیجا۔ عتبہ نے حکومت، مال و دولت اور دنیوی مفاد کی ہر ممکن پیش کش حضور ﷺ کے سامنے بیان کی کہ کسی طرح آپ ﷺ اس انقلابی مہم سے باز آجائیں۔ حضور ﷺ نے جواب میں سورۃ حٰمٓ کی آیات سنائیں۔ عتبہ جو تاثر اس مجلس سے لے کر گیا، اس نے اس کے چہرے کا رنگ بدل دیا تھا۔ اس نے جا کر کہا کہ اس دعوت میں تو ایک "بناء عظیم" مضمر ہے۔ یعنی یہ ایک بہت بڑی تبدیلی کی حامل ہے۔ کوئی انقلاب آنے والا ہے اور زندگی کا نقشہ

زیروزبر ہو جائے گا۔ اس لیے اس نے مشورہ دیا کہ محمد ﷺ کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ تم درمیان میں حائل نہ ہو۔ اگر اہل عرب نے اس شخص کا خاتمہ کر دیا تو تم سستے چھوٹے اور اگر اسے غلبہ حاصل ہو گیا تو ملکہ، **ملککم و عزکم و کنتم اسعد الناس**. اس کی سلطنت تمہاری سلطنت ہوگی۔ اس کا اقتدار تمہارا اقتدار ہوگا اور تم لوگوں میں سب سے بڑھ کر معزز ہو جاؤ گے۔ یعنی عتبہ تک یہ حقیقت پا گیا کہ اس دعوے کے پردے میں ایک سلطنت چھپی ہوئی ہے اور یہ اقتدار پر منتج ہوگی تو آخر خود حضور ﷺ اور حضور ﷺ کے رفقا اس منتہا سے کیسے غافل ہو سکتے ہیں (16)۔

ایک موقع پر جب تشدد کی بھٹی خوب گرم تھی۔ حضور ﷺ کے رفقاء کے نے اپنا دکھ بیان کیا اور دعا کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے پہلے تو ان کو بتایا کہ اقامت دین کی جدوجہد کی گھاٹیاں کتنی کٹھن ہوتی ہیں۔ اور ماضی میں جن جوانوں نے یہ فرض ادا کیا ہے انہیں کیا کچھ پیش آیا۔ اور پھر یہ مژدہ سنایا کہ ''خدا کی قسم! اس مہم کو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے مرحلہ تکمیل تک پہنچائے گا''۔ پھر اس مرحلہ تکمیل کی کیفیت بیان کی کہ:

''ایک سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہوگا (17)۔ یعنی ایک ایسا نظام عدل اور دور رحمت چھا جانے والا ہے اور ایسا پُر امن ماحول قائم ہونے والا ہے کہ آج جہاں ڈاکے پڑ رہے ہیں اور قتل ہو رہے ہیں جہاں آدم زاد دن دہاڑے زمین سے اچک لیے جاتے ہیں **تخافون ان یتخطفکم الناس** (18)، **و یتخطف الناس من حولھم** (19) اور جہاں کھلم کھلا عصمتیں لٹ رہی ہیں۔ وہاں مسافر کل تن تنہا اس سرزمین میں بے کھٹکے سفر کرے گا۔ کسی کو اس کی جان، اس کے مال اور اس کی عزت سے تعرض کرنے کی جرأت نہ ہوگی ایک بار حضور ﷺ نے یوں بھی فرمایا کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ مکہ کو نگہبان قافلہ جایا کرے گا (20)۔ اسلامی تمدن کے نصب العین کا کتنا واضح اور اجلا تصور ہے۔

ایک مرتبہ عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ سے حضور ﷺ نے کعبہ کا دروازہ کھلوانے کے لیے کہا۔ اس نے انکار کر دیا۔ بظاہر سخت ناسازگار مایوس کن حالات کے درمیان کھڑے ہو کر اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن آنے والا ہے جب یہ کنجی خود ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔

اور ہم جسے چاہیں گے تفویض کریں گے (21)۔

عقبہ کے مقام پر انصار مدینہ سے جو تاریخی بیعتیں واقع ہوئیں ان کے مطالعہ سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ انصار تک نے اس سیاسی کشمکش کی وسعتوں کو سمجھ لیا تھا جو دعوت حق کے نتیجے میں نمودار تھی۔ اور جس کا فیصلہ آگے چل کر میدان جنگ میں ہونا تھا۔ ایک طرف انصار حضور ﷺ کی حمایت میں سرخ و سیاہ سے معرکہ آراء ہونے کا پیان باندھ رہے ہیں اور اپنے اشراف کی ہلاکت اور مالوں کی تباہی کو لبیک کہتے ہیں۔ دوسری طرف حضور ﷺ سے عہد لیتے ہیں کہ جب خدا آپ ﷺ کو غلبہ عطا کر دے تو آپ ﷺ ہمیں چھوڑ کر واپس نہ چلے آئیں گے۔ جنگ' قربانیاں' اور غلبہ ــــ کیا ان تصورات میں وہ نصب العین نمایاں اور واضح نہیں ہے جو حضور ﷺ کے سامنے تھا (22)۔

ہجرت کی راہ میں قدم رکھنے سے پہلے جو دعا آپ ﷺ کو سکھائی جاتی ہے اس دعا کا تکمیلی جزیہ ہے کہ:

وَاجْعَل لِي مِنْ لَدُنكَ سُلطٰنًا نَّصِيرًا (23)

حضور ﷺ کو خدا سے سلطان نصیر کی طلب سکھائی گئی ہے۔ یعنی مقدس مشن کی پشت پناہی کرنے کے لیے اقتدار اور فرمانروائی درکار تھی۔

جناب ابو طالب پر جب حضور ﷺ کی حمایت ترک کرنے کے لیے دباؤ ڈالا تھا تو انہوں نے حضور ﷺ سے گفتگو کی کہ میرے لیے مشکلات پیدا نہ کرو۔ اس پر حضور ﷺ نے وہ مشہور جواب دیا تھا کہ خواہ یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب کیوں نہ لاکر رکھ دیں، میں اپنے مشن سے باز نہیں رہ سکتا۔ حضور ﷺ نے اپنی بات ان الفاظ سے مکمل کی تھی کہ:

''یہاں تک کہ یا تو اللہ تعالیٰ اس مشن کو غالب کر دے گا، یا اس میں اپنی جان کھپا دوں گا'' (24)۔ یہاں لفظ لِیَتِمَّہٗ نہیں لِیُظْھِرَہٗ استعمال فرمایا۔ جس میں کش مکش کا تصور شامل ہے اور آگے کا جملہ بتاتا ہے کہ کشمکش بھی ایسی ہے جس میں جان جوکھوں میں ڈالنے کا معاملہ

ہے۔ مدنی دور میں عدی بن حاتم حاضر ہو کر حضور ﷺ کی شخصیت کا جائزہ لیتا ہے۔ دعوت کی نوعیت سمجھنا چاہتا ہے۔ ناقدانہ نگاہ سے حضور ﷺ کے اطوار کی جانچ کرتا ہے اور دل میں متاثر ہوتا ہے۔ اس کے طرزِ فکر کا لحاظ کرتے ہوئے حضور ﷺ اس سے گفتگو کرتے ہوئے جہاں یہ بتاتے ہیں کہ عنقریب بابل کے سفید محلات اسلام کے تسلط میں ہوں گے، عنقریب یہاں دولت کی ریل پیل ہوگی اور عنقریب مسلمانوں کی عددی قوت بہت ہی بڑی ہوگی وہاں اسے اسلامی نظام عدل کی اس شان سے بھی آگاہ کرتے ہیں کہ عنقریب تم دیکھو گے کہ ایک عورت قادسیہ سے اونٹ پر تن تنہا اس مسجد تک آنے کے لیے نکلی اور خیر و عافیت سے پہنچی۔

بظاہر بے سر و سامانی کے عالم میں سفر ہجرت کرتے ہوئے جو نگاہ سراقہ کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ لیتی ہے، کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے اپنی دعوت کے منتہا اور اپنے تمدنی نصب العین کا پتہ نہ ملتا۔ کیسے یہ سوچا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست بطور مقصد کے پیش نظر نہ تھی۔ اس کے لیے تیاریاں نہیں کی گئیں۔ اس کے لیے جدوجہد عمل میں نہیں آئی اور وہ اچانک بطور انعام حضور ﷺ کی جماعت کو تفویض کر دی گئی۔ ہاں کہا جا سکتا ہے کہ حکومت محض برائے حکومت مطلوب نہ تھی۔ ہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حکومت ذاتی اقتدار اور دینوی فوائد کے حصول کے لیے مطلوب نہ تھی۔ مگر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اقامت دین کے لیے عدل کے قیام کے لیے انسانیت کی نجات کے لیے، معاشرہ کی تعمیر کے لیے بھی حکومت مطلوب نہ تھی۔

درحقیقت حضور ﷺ کے پیش نظر جہاں اعتقادی اور اخلاقی انقلاب تھا۔ وہاں پوری اہمیت کے ساتھ سیاسی انقلاب بھی تھا۔ جہاں فرد کی اصلاح مطلوب تھی، وہاں تمدن کی درستگی بھی مقصود تھی۔ دوسرے لفظوں میں حضور ﷺ نے انسان کو ایک اجتماعی وجود کی حیثیت سے سامنے رکھا اور اس کی اصلاح اس کے جملہ تمدنی رابطوں سمیت کرنا چاہی۔ حضور ﷺ نے انسان کو تمدن سے منقطع فرد کی حیثیت سے نہیں لیا اور اپنی دعوت اس کی نجی زندگی تک محدود نہیں رکھی بلکہ اسلامی معاشرت اور تمدن کو بطور نصب العین کے پیش نظر رکھا۔

حوالہ جات

[1] سورۃ الحدید، آیت 25

[2] ابو الفدا اسماعیل دمشقی، تفسیر ابن کثیر 4 ص 215,214، سہیل اکیڈمی لاہور، 1973ء

[3] ابو محمد عبدالملک بن ہشام، سیرت ابن ہشام، ج 1 ص 210، ابلاغ پبلشرز لاہور، 1991ء

[4] سورہ الصف، آیت 9

[5] سورہ الصف، آیت 11

[6] سورہ الصف، آیت 14

[7] (i) سورہ المائدہ، آیت 56؛ (ii) سورہ المجادلہ، آیت 22

[8] آل عمران، آیت 14

[9] ابو محمد عبدالملک بن ہشام، سیرت ابن ہشام ج 1 ص 216، ابلاغ پبلشرز لاہور، 1991ء

[10] سورہ الحدید، آیت 35

[11] سورہ النحل، آیت 67

[12] ابو محمد عبدالملک بن ہشام، سیرت ابن ہشام ج 3 ص 27، ابلاغ پبلشرز لاہور، 1991ء

[13] ایضاً، ج 2، ص 34

[14] ایضاً، ج 2، ص 32

[15] ایضاً، ج 2، ص 23

[16] ایضاً، ج 1، ص 314

[17] ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی، ریاض الصالحین باب الصبر ح 17/41، دارالفکر بیروت، 1996ء

[18] سورۃ الانفال، آیت 26

[19] العنکبوت، آیت 67

[20] شبلی نعمانی، سیرت النبی ج 2، ص 3، فیصل ناشران کتب، اُردو بازار لاہور، 1991ء

[21] احمد خطیب قسطلانی، المواہب اللدنیہ ج ص 158، دارالکتب مصر، 1985ء

[22] ا۔ ابو محمد عبدالملک بن ہشام، سیرت ابن ہشام، ج 2، ص 50,51، ابلاغ پبلشرز لاہور، 1991ء
ب۔ شمس الدین ابن قیم، زادالمعاد، ج 1، ص 50,51، دارالکتب الحدیثیہ مصر، 1969ء

[23] سورہ بنی اسرائیل، آیت 80

[24] ابو محمد عبدالملک بن ہشام، سیرت ابن ہشام، ج 1، ص 273، ابلاغ پبلشرز لاہور، 1991ء